www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com
انٹلکچوئل
نگہت سیما

نگہت سیما

''میں تمہاری ان وفاؤں سے اوب گیا ہوں، بیزار ہو گیا ہوں۔ چمٹ گئی ہو تم مجھ سے۔ متوسط طبقے کی عورتوں کی طرح ہر وقت ہاتھ باندھے چاکری کے لیے مت کھڑی رہا کرو میرے سامنے۔'' ارمان نے میرے ہاتھ سے ٹاول لے کے صوفے پر پھینکا اور غصے سے بھناتا ہوا بیڈروم میں گھس گیا۔

میں وہی ٹی وی لاؤنج میں ساکت کھڑی رہ گئی۔ یہ کوئی آج کی بات تو نہ تھی۔ ایسا کئی مہینوں سے ہو رہا تھا اور میں حیران تھی کہ کیا یوں بھی ہوتا ہے۔ اس طرح بھی کوئی وفاؤں سے اوب جاتا ہے؟ محبتوں سے بیزار ہو جاتا ہے؟ چاہتوں سے بھاگتا ہے؟

ارمان میری محبتوں اور چاہتوں سے بھاگ رہا تھا۔ میں جو اس کے لیے جان سے گزر گئی تھی۔ لیکن یہ ارمان نصیب تھا جو خود کو انٹلیکچول کہلاتا ہے۔ ایسے ہی انٹلیکچول مرد کی تو میں نے خواہش کی تھی۔ کیا سارے انٹلیکچول ایسے ہی ہوتے ہیں، ارمان نصیب کی طرح؟

ثمین نے مجھے کتنا سمجھایا تھا۔ ''روشین یہ ارمان مجھے تو بہروپیا لگتا ہے۔ تم اس کے ساتھ خوش نہیں رہ

سکو گی۔"

لیکن تب مجھ پر بھوت سوار تھا اس انٹلیکچول مرد کے ساتھ زندگی گزارنے کا۔ میں اس کے سحر میں گرفتار ہو چکی تھی۔ پور پور اس کی محبت میں ڈوب چکی تھی۔ میں متوسط طبقے کی نہیں تھی پھر بھی متوسط طبقے کی لڑکیوں کی طرح نفل پڑھ پڑھ کر اس کے ساتھ کی دعائیں مانگتی تھی۔

"یا اللہ اس کا ساتھ مل جائے، اس کی دائمی رفاقت!"

اور ارمینہ رزاق کی طرح دعا کے لیے پھیلے میرے ہاتھوں پر قطرہ قطرہ آنسو

گرتے تھے۔ ارمینہ رزاق جو راولپنڈی کے قریب کسی گاؤں کی رہنے والی تھی۔ اور شکیل احمد کی محبت میں مبتلا ہو گئی تھی اور بقول اس کی روم میٹ فریدہ مدبر کے، وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کے نفل پڑھتی تھی اور شکیل احمد کی رفاقت کی دعائیں مانگتی تھی اور اس کے آنسو اس کے پھیلے ہوئے ہاتھوں پر گرتے تھے اور تب ہم سب اسے بڑے خلوص سے مشورہ دیا کرتے تھے کہ وہ دعائیں مانگنے کے بجائے سیدھے سبھاؤ شکیل احمد کے پاس جا کر حال دل کہہ دے۔ وہ یقیناً اس من موہنی صورت پر فدا ہو جائے گا۔

"بھلا ایسا کیسے ممکن ہے۔" وہ ایک شریف گھرانے کی لڑکی تھی۔ ٹپ ٹپ آنسو اس کی آنکھوں سے گرتے اور وہ کسی معجزے کے انتظار میں دعائیں مانگتی رہتی۔ ہم اس کی عدم موجودگی میں اس کا مذاق اڑاتے۔

"بچاری متوسط طبقے کی لڑکیاں! اپنی محبتوں کو پانے کے لیے یونہی دعائیں کرتی ہیں اور پھر دعائیں کرتے کرتے ایک دن کسی اور کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہیں۔"

اب میں خود بھی یہی کر رہی تھی۔ بالکل متوسط طبقے کی لڑکیوں کی طرح اور ثمین حیرت سے مجھے تکا کرتی۔

"کیا ہو گیا ہے روشین تمہیں؟ تم اتنی بیوقوف تو ہر گز نہ تھیں۔"

"کیا ہو گیا ہے مجھے؟" میں حیرت سے اسے دیکھتی۔ اب میں اسے کیا بتاتی کہ میں روشین اوصاف اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہوں۔ ارمان نصیب کی محبت میں، وہ ارمان نصیب جو خوبصورت شعر کہتا ہے اور جس کے بال زلفوں کی طرح اس کے شانوں پر بکھرے رہتے ہیں اور جو بڑے اسٹائل سے دھاری دار چادر اوڑھتا ہے یوں کہ اس کا ایک پلو دائیں بازو سے نکال کر دوسرا بائیں کندھے پر ڈال دیتا ہے اور جب دور خلا میں دیکھتے ہوئے اور دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں دبے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہتا ہے۔

"شہنا جی! اور سنایئے کیسی ہیں آپ؟"

تو میرا دل سینے میں اتنا شور مچاتا ہے کہ مجھے یوں لگتا ہے جیسے ابھی سینے کی دیواریں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

یہ دل تو اسی روز اسی سجیلے اور قدرے انوکھے سے مرد کے قدموں میں گر گیا تھا جس روز پہلی بار سفیر نے میرا اس سے تعارف کروایا تھا اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر سر کو قدرے خم دیتے ہوئے کہا تھا۔

"نمستے دیوی جی!"

اور میں وہی جیسے فریز ہو گئی تھی۔ اس کا وہ خوبصورت دھیما لہجہ، اس کی وہ ساحر

آنکھیں، مجھے لگا تھا جیسے میں لوہے کا معمولی ذرہ ہوں اور وہ مقناطیس! اس روز بھی اس نے فان کلر کی گرم چادر اسی انداز میں اوڑھ رکھی تھی اور اس کا دراز قد سفیر کے قد کے مقابلے میں بہت نمایاں لگ رہا تھا۔ سفیر مجھے اس کے مقابل کھڑا کتنا چھوٹا سا لگا تھا۔ بالکل غیر ارادی طور پر میں سفیر کے پاس سے ہٹ کر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔

"یہ ارمان صاحب ہیں۔ شعر کہتے ہیں اور فلسفیانہ باتیں کرتے ہیں۔" سفیر ہنسا تھا۔ "اور خود کو ہمہ وقت انٹلیکچول ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔"

"اچھا تو انٹلیکچول ایسے ہوتے ہیں؟" میں نے سوچا تھا۔

ایک بار میڈم زبیری نے کہا تھا۔ "یار یہ تم کن دو اور دو چار کرنے والے لوگوں میں پیدا ہو گئی ہو اور اب یونہی کسی دو اور دو چار کرنے والے سے بیاہ دی جاؤ گی۔ تمہارے لیے تو کوئی حسن انٹلیکچول مرد ہونا چاہیئے جو خوبصورت لفظوں میں تمہارے حسن کو سراہ سکے اور جو تمہارے حسن کے قصیدے لکھے اور پھر تمہارے قدموں میں پھولوں کے ڈھیر لگا دے۔"

سر اونچا کر کے ارمان نصیب کو دیکھتے ہوئے مجھے لگا تھا کہ یہی وہ مرد ہے جس کے متعلق میڈم زبیری نے کہا تھا اور جسے دیکھتے ہی میرا دل اپنی بیٹ کا ردھم کھو بیٹھا تھا اور گالوں پر گلال سا بکھر گیا تھا۔

جب رات کو اپنے بیڈ پر لیٹتے ہوئے میں نے ثمین کو اس کے متعلق بتایا تھا تو اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے تھے۔ "دیکھا ہے میں نے ایک بار سفیر بھائی کے ساتھ! بہروپیا ہے۔ دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ایک ڈھونگ ہے اور پتا ہے جب اس نے ہاتھ جوڑ کر مجھے نمستے کہا تھا تو میرا جی چاہا تھا کہ اس کے

جڑے ہوئے ہاتھوں پر زور سے تھپڑ لگاؤں اور کہوں، مہاراج جی! آپ کی دیوی سرحد پار رہ گئی ہے۔ بہتر ہے کہ آپ بھی ادھر ہی ہجرت کر جائیں۔ اور اگر مجھے سفیر بھائی کا خیال نہ ہوتا تو کہہ بھی دیتی۔"

مجھے ثمین کی سوچ پر بہت حیرت ہوئی تھی کہ اسے ارمان کا اسٹائل پسند نہیں آیا تھا۔ حالانکہ اس کا اسٹائل ہی تو مجھے بھا گیا تھا اور ابھی تک میرے کانوں میں اس کا گمبھیر لہجہ رس گھول رہا تھا۔ "نمستے دیوی جی۔" اس کی حلاوت نے میرے رگ و پے میں ایک مٹھاس سی بھر دی تھی۔ مجھے ثمین کی رائے قطعی پسند نہیں آئی تھی کتنی صحیح تھی حالانکہ وہ عمر میں مجھ سے Judgement لیکن میں نے اس سے بحث نہیں کی تھی۔ اس کی دو سال چھوٹی تھی۔

وہ میری طرح خوابوں کی دنیا میں نہیں رہتی تھی اور بچپن ہی سے بہت پریکٹیکل تھی۔ جبکہ میں! مجھے خواب دیکھنا اچھا لگتا تھا۔ بچپن میں بھی کہانیاں پڑھتے ہوئے میں خوب دیکھنے لگتی تھی۔

کبھی مجھے لگتا جیسے میں خوابیدہ شہزادی ہوں اور کوئی شہزادہ کوس دو کوس منزلیں طے کرتا، مجھے ڈھونڈتا ہوا میرے سوئے ہوئے محل میں آ گیا ہے۔ اور کبھی مجھے لگتا جیسے میں سنڈریلا ہوں اور میرا شیشے کا جوتا بادشاہ کے محل میں رہ گیا ہے اور سب سے خوبصورت شہزادہ مجھے ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔ اور کبھی مجھے لگتا جیسے میں ونڈر لینڈ کی میری ہوں جو خرگوش کے پیچھے پیچھے بھاگتے بھاگتے ایک عجیب دنیا میں پہنچ گئی تھی۔ یہ خواب دیکھنا مجھے کتنا مہنگا پڑا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ سفیر بھائی جیسے شخص کی اس بہروپیے سے دوستی کیسے ہو گئی؟" مجھے خاموش دیکھ کر اس نے کہا تھا اور پھر اپنے نوٹس بنانے میں مشغول ہو گئی تھی۔

اسے پڑھائی کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ میں نے بھی سوچا تھا بھلا ارمان نصیب جیسے انٹلیکچول بندے نے سفیر جیسے دو اور دو چار کرنے والے بندے سے کیسے دوستی کرلی۔ کہاں ارمان نصیب جیسا شاعر اور کہاں سفیر، جس کا ادب و شاعری سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ جو ایم بی اے کی ڈگری لے کر بھی ڈل کا ڈل تھا اور جو صبح سے شام تک اسی چکر میں پڑا رہتا تھا کہ بزنس کو زیادہ سے زیادہ پھیلا سکے۔ اور جس کے پاس کبھی اتنی فرصت بھی نہیں ہوتی تھی کہ کبھی اس لڑکی کو نگاہ اٹھا کر دیکھ لے جس کے حسن و خوبصورتی کا پورے خاندان میں شہرہ تھا اور جسے کالج سے لے کر یونیورسٹی تک ہر جگہ بیوٹی کوئین اور چارمنگ پرنسز کا ٹائٹل ملتا رہا ہے اور جو بچپن ہی سے اس کی مینگتر کے عہدے پر فائز ہے۔

سفیر مین مجھے اس سے پہلے اتنی خامیاں کبھی دکھائی نہیں دی تھیں۔ میں تصور ہی تصور میں اس کا اور ارمان کا مقابلہ کرتی رہتی۔ ارمان کتنا دراز قد ہے اور سفیر بونا سا اور ایک بار میں نے یہی بات ثمین سے کہہ دی تھی۔ سفیر اسی وقت ہمارے پورشن سے گیا تھا۔

"یہ سفیر کا قد کتنا چھوٹا ہے۔" میرے تصور میں ارمان تھا، چھ فٹ سے بھی نکلتا قد۔

"ہیں؟" ثمین نے حیرت سے مجھے دیکھا تھا۔ "اتنا اچھا تو ہے سفیر بھائی کا قد اور پھر تمہارے پانچ فٹ چار انچ قد کے ساتھ تو بڑا سوٹ کرتا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے جب تم دونوں ساتھ ساتھ کھڑے تھے تو بہت اچھے لگ رہے تھے۔"

"بھلا میرا اور اس کا کیا ذکر۔" میں جھنجلا گئی تھی۔ ثمین سے تو بات کرنا قطعی فضول تھا۔ پتا نہیں کیوں اسے سفیر میں کوئی برائی کیوں نہیں نظر آتی تھی اس کے سانولے رنگ میں بھی اسے اٹریکشن نظر آتی۔

"مردوں پر یہی رنگ سوٹ کرتا ہے۔ سانولے مرد کا آدھا حسن اس کی سانولی رنگت میں ہوتا ہے۔ روشین تم نے کبھی غور کیا؟"

ثمین پتا نہیں کس دنیا میں رہتی تھی۔ شاید اس نے ارمان کی رنگت کو کبھی دھیان سے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی صاف شفاف رنگت میں، جس میں ہلکا سا گلابی پن تھا، کتنی کشش تھی۔ جیسے ایک ساتھ کئی سورج اس کے چہرے پر اتر آئے ہوں۔

"بہت خوبصورت مرد خود پرست ہوتے ہیں۔ ان کے دل محبتوں سے ناآشنا ہوتے ہیں۔" یہ ثمین کی رائے تھی۔

لیکن ارمان تو ہرگز ایسا نہیں تھا۔ گو اسے بہت خوبصورت مرد کہا جا سکتا تھا لیکن اس کا تو پور پور محبتوں سے گندھا ہوا تھا۔ جب وہ ذرا سا سر خم کر کے، پلکیں اوپر اٹھا کر کہتا۔ "شہناجی، یہ اتنا حسن! میں تو بے موت مارا جاؤں گا۔ کیوں آزماتی ہیں میرا صبا۔" تو اس کی آنکھوں میں محبتوں کا ایک دریا ہلکورے لے رہا ہوتا۔ اس کے ہونٹ، اس کی آنکھیں، اس کے ہاتھ اس کا پورا وجود محبتوں کا اظہار کرتا تھا۔

یہ ثمین تو بیوقوف ہے۔ اسے لوگوں کی پہچان نہیں ہے اور جانے کیا الٹا سیدھا پڑھتی رہتی ہے جس نے اس کی سوچ اور فکر کو مجھ سے اتنا مختلف کر دیا ہے۔ حالانکہ لوگوں کی پہچان تو مجھے نہیں تھی۔ ثمین تو بہت عقلمند، بہت سمجھدار تھی۔ اس نے بہت پہلے، جب میں نے میڈم زبیری کے ہاں جانا شروع کیا تھا، مجھ سے کہا تھا۔

"یار روشین! یہ میڈم زبیری کچھ پراسرار سی لگتی ہیں، جیسے ان کے ظاہر و باطن میں تضاد ہو۔ جیسے انہوں نے اپنا وجود دبیز پردے کے پیچھے چھپا رکھا ہو۔"

میڈم زبیری مجھے پہلی بار جم خانے میں ملی تھیں۔اس شام ڈیڈی کو اور سفیر کو کچھ لوگوں سے جم خانے میں ملنا تھا شاید کوئی بزنس ڈیلنگ تھی۔ڈیڈی کی طبیعت خراب تھی۔سفیر آیا تو میں اسما کے جانے کے لیے تیار ہو کر ٹی وی لاؤنج میں کھڑی تھی۔اس نے ایک نظر مجھے دیکھا۔

"کیا کہیں جا رہی تھیں؟"

"ہاں۔اسما کی طرف جانا تھا لیکن وہ گھر پہ ہی نہیں ہے۔اور میں ان طویل چھٹیوں سے انتہائی بور ہو رہی ہوں۔"

"اچھا تو میرے ساتھ چلو،جم خانہ۔"

"ہاں ہاں لے جاؤ۔"ڈیڈ نے تائید کی۔"اچھا ہے کچھ پتا چلے گا کہ بزنس ڈیلنگ میں لوگوں سے کیسے بات چیت کی جاتی ہے۔"

ڈیڈی کی بڑی خواہش تھی کہ میں ایم بی اے کر لوں اور بزنس میں ان کا ہاتھ بٹاؤں۔ہم دو ہی بہنیں تھیں اور ادھر سفیر بھی اکلوتا تھا۔ڈیڈی چاہتے تھے کہ ہم ان کا بازو بنیں لیکن مجھے بزنس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔لہٰذا میں انگریزی ادب میں ماسٹرز کر رہی تھی جب کہ ثمین ڈیڈی کی خواہش کی

تکمیل میں ایم بی اے کرنا چاہتی تھی۔

"ان لوگوں کو بہت اسپیشل پروٹوکول دینا ہے روشین۔"راستے میں سفیر نے مجھ سے کہا تھا۔

لیکن وہ سب مجھے انتہائی بور لگے تھے اور ان کی گفتگو اس سے بھی زیادہ بور۔سو میں معذرت کر کے اٹھ آئی تھی اور باہر کورٹ کی طرف جاتے ہوئے مجھے میڈم زبیری ملی تھیں جو ٹینس کھیلنے جا رہی تھیں۔انہوں نے

خود ہی مجھے مخاطب کیا تھا۔

"ہیلو کیوٹ لڑکی!تمہارے چہرے پر اتنی بیزاری کیوں ہے؟"پھر کچھ ہی دیر میں وہ مجھ سے اچھی خاصی بے تکلف ہو گئی تھیں۔انہیں اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ میں اتنے بڑے بزنس ٹائیکون کی بیٹی ہوں اور اس قدر سادہ۔

"یار تم اس بزنس فیملی میں کچھ ان فٹ سی نہیں لگتی ہو؟"

اسی روز انہوں نے مجھ سے کہہ دیا تھا اور میں ان سے انتہائی متاثر ہوئی تھی۔ان کی علمی و ادبی گفتگو،ان کا ڈریس،ان کا اسٹائل،ہر چیز نے مجھے اٹریکٹ کیا تھا اور اب سفیر مجھے ڈھونڈتا ہوا کورٹ تک آیا تھا اور میں نے ان سے تعارف کروایا تھا۔

"یہ سفیر ہے میرا کزن۔"

"صرف کزن یا۔۔۔"وہ شوخی سے مسکرائی تھیں اور زندگی میں پہلی بار سفیر کے نام پر میرے رخسار تپ اٹھے تھے۔تب وہ کھلکھلا کر ہنسی تھیں اور پھر بڑی گرم جوشی سے سفیر سے ہاتھ ملایا تھا۔

"آپ کا نام تو بہت سنا تھا۔آج ملاقات بھی ہو گئی۔"ان کی آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔مجھے حیرت ہوئی تھی بھلا سفیر کب سے اتنا مشہور ہو گیا کہ میڈم زبیری کسی خواتین نے اس کا نام سن رکھا تھا۔

"تم اسے کب سے جانتی ہو روشین؟"راستے میں سفیر نے پوچھا تھا۔

"ابھی یہاب جم خانہ ہی ملاقات ہوئی ہے۔"

"لوگ اس کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے بلکہ کچھ تو صاف لفظوں میں بلیک میلر کہتے ہیں۔اس پر یلو

جرنلزم کاالزام بھی ہے۔"

"میں نے سفیر کی بات پر کوئی خاص دھیان نہیں دیا تھا۔لوگوں کی رائے کا کیا ہے،وہ تو ہرایک کے متعلق یونہی الٹی سیدھی باتیں بولتے رہتے ہیں۔سفیر نے تو یوں بھی ایک سنی سنائی بات کی تھی۔سو میں نے اس سے میڈم زبیری کے متعلق کچھ نہ پوچھا تھااور نہ ہی ذہن میں یہ تھا

کہ میری آئندہ کبھی میڈم سے ملاقات ہوگی۔میں تو آج بھی جم خانہ جاکرانتہائی بور ہوئی تھی۔میرے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک ہفتے بعدجب یونیورسٹی کھلے گی تو میڈم زبیری مجھے تلاش کرتی وہاں آجائیں گی۔

میں اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف جارہی تھی کہ کسی نے مجھے آوازدی۔مڑکر دیکھا تو میڈم زبیری تھیں۔

"ارے آپ یہاں کیسے ؟"

"ہائے روشی جان!صرف تم سے ملنے کے لیے آئی ہوں۔ایک ہی ملاقات میں تم نے مجھے اپنااسیر کرلیاہے۔ اتنی اداس ہوگئی تھی جانو۔۔۔جانے کیابات ہے تم میں۔"انہوں نے میرے رخسار پر بوسہ دیا۔

میں ان کے خلوص سے بہت متاثر ہوئی تھی۔کاٹن کاسادہ ڈریس،کانوں میں ہیرے کے ننھے ننھے ٹاپس،کٹے ہوئے بال،اور بغیر میک اپ کے معصوم ساتاثر دیتاچہرہ!اسما بھی ان کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئی تھی۔

انہوں نے اپنا کارڈ دیااور اپنے گھر آنے کی پرخلوص دعوت دی۔ملتے رہنے کو کہاپھر خود ہی کتنی بار مجھ سے ملنے یونیورسٹی اور گھر آگئیں۔ان کی گفتگو مجھے مزہ دیتی تھی۔ان کااسٹائل مجھے امپریس کرتا تھا۔وہ گفتگو میں بڑے بڑے ادیبوں،فلسفیوں اور شاعروں کے حوالے دیتی تھیں۔

"انہوں نے دنیا بھر کاادب گھول کرپی رکھاہے۔"میں نے ثمین کو بتایا تھااور ایک روز زبردستی اسے اپنے ساتھ میڈم زبیری سے ملوانے لے گئی تھی۔واپسی پر اس نے جورائے میڈم کے متعلق دی تھی،اس نے مجھے اندر ہی اندر مشتعل کردیا تھالیکن میں نے ثمین سے کچھ نہیں کہا تھا۔البتہ دل ہی دل میں مجھے پچھتاوا ہوا تھا کہ خواہ مخواہ ثمین کو میڈم زبیری سے ملوایا۔اب وہ ضرور مجھے منع کرے گی کہ میں میڈم زبیری جیسی خاتون سے،جس کے ظاہر وباطن میں تضاد دکھائی دیتا ہے،تعلقات نہ رکھوں۔لیکن اس نے مجھے کچھ نہیں کہا تھااور اگروہ کچھ کہتی بھی تو میرے لیے ناممکن تھا کہ میڈم زبیری سے قطع تعلق کرلوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میڈم سے ملنے کے بعد مجھے اپنے گھر کاہر فرد بہت چھوٹا لگنے لگا تھا۔زندگی کا مقصد صرف دولت اکٹھا کرنا ہی تو نہیں ہے۔یہ کیا کہ شاندار گھروں میں رہو،قیمتی ڈریس پہنو،شاندار گاڑیوں میں گھومواور دن بھر دواور دوچار کرتے رہو۔یہ بھی کوئی زندگی ہے۔زندگی تو بہت خوبصورت ہے اور اسے خوبصورت طریقے سے ہی بسر کرناچاہیئے۔ایجوکیٹڈ،اسکالر اور انٹلیکچول لوگوں کی طرح!

میں نے اس بات پر تو کبھی غور ہی نہیں کیا تھا کہ میڈم زبیری کاڈیفنس میں اپنا گھر کتنا

شاندار ہے۔کتنااعلیٰ فرنیچر ہے،کتنی زبردست ڈیکوریشن ہے،ایک سے ایک قیمتی کرسٹل ہے۔بلجئیم اور اٹلی کے اور بیڈروم تک میں ایک ایک فانوس لاکھوں کا تھا۔

بالکل سادہ کاٹن کالباس پہننے والی میڈم زبیری جودولت کی غلط تقسیم کے خلاف تھیں۔جن کی آنکھیں اس بات پر آنسوؤں سے بھر جاتی تھیں کہ عربی گھوڑے تو دبلے پتلے اور کمزور تھے جبکہ خچروں کے جسم فربہ تھے۔

اتنی خوبصورت باتیں کرنے والی میڈم زبیری میرا آئیڈیل بن گئی تھیں۔ وہ اکثر مجھے یونیورسٹی ہی سے پک کر لیتیں اور پھر کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی اسکالر سے ملوانے لے جاتیں اور میں ان دنوں خود کو وی آئی پی سمجھنے لگی تھی جسے میڈم زبیری اتنی اہمیت دے رہی تھی۔

اس روز بھی انہوں نے مجھے یونیورسٹی سے پک کیا تھا۔ میں نے اپنی گاڑی واپس کر دی تھی۔ میڈم زبیری کے ہاں لنچ تھا اور بڑے بڑے ادیب و شاعر مدعو تھے اور مجھے بہت شوق تھا اتنے بڑے بڑے لوگوں کو دیکھنے اور ملنے کا۔ میڈم کو راستے میں Shen one سے اپنے لیا جوتا لینا تھا۔ جب ہم Shen one سے نکل رہے تھے تو سفیر نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ بھی غالباً وہاں شاپنگ کرنے آیا تھا۔ اس نے میڈم زبیری کو مسکرا کر Wish کیا اور میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"تھینک گاڈ! تم مجھے یہاں مل گئی ہو۔ میں تمہیں ہی لینے جا رہا تھا۔ یہاں کچھ کام تھا سو ذرا دیر کو رکا تھا۔"

"کیوں خیریت ہے نا؟" میں گھبرا گئی۔

"ہاں! بس انکل نے تمہیں بلوایا تھا۔"

"کیا ابھی جانا ضروری ہے؟ میں تو میڈم کے ساتھ جا رہی تھی۔ آج لنچ تھا۔ بڑے بڑے رائٹرز کو بلوایا تھا میڈم نے۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"اں!" اس نے معذرت طلب نظروں سے میڈم کو دیکھا جو مسلسل اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ "آپ کے ہاں تو ایسے لنچ ہوتے ہی رہتے ہیں۔ پھر کبھی سہی۔"

"چلیں پھر سہی۔ لیکن اب کے تم بھی ساتھ آنا۔"

"شیور!" یہ کہہ کر سفیر مجھے اپنے ساتھ لے آیا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا روشین کہ یہ اچھی عورت نہیں ہے۔" گاڑی روڈ پر لاتے ہی اس نے کہا۔

"اچھی عورتیں کیسی ہوتی ہیں سفیر؟"

"اچھی عورتیں جیسی بھی ہوتی ہیں، کم از کم میڈم زبیری جیسی نہیں ہوتیں۔"

"میڈم بہت اچھی ہیں۔ دراصل تمہاری اپروچ ہی اتنی ہے۔ تمہارا ذہن دو اور دو چار سے آگے نہیں سوچتا۔

میں نے اس سے بہت بحث کی تھی لیکن اس نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ سوائے اس کے کہ مجھے تمہارے خیالات سن کر افسوس ہوا روشین۔ اس بات کا مجھے ہمیشہ سے دکھ رہا کہ میں اس روز بڑے بڑے رائٹرز کو قریب سے سن اور دیکھ نہیں سکی تھی۔ میں نے کئی دن تک سفیر سے بات نہیں کی تھی کہ اس نے جھوٹ کیوں بولا۔

"اس لیے کہ میں نہیں چاہتا کہ اس عورت کے ساتھ تمہارا نام آئے۔ روشین وہ اچھی روعت نہیں ہے اور تم بے وقوف لڑکی ہو۔"

"سفیر بھائی صحیح کہتے ہیں روشین۔" ثمین نے بھی اس کی تائید کی۔ "تم نہیں جانتیں کہ میڈم زبیری نے اپنے اصل چہرے پر اور کتنے چہرے لگا رکھے ہیں۔"

لیکن مجھے ان دونوں کی باتوں کا اعتبار کہاں تھا۔ سو میں نے دل میں سوچ رکھا تھا کہ میڈم سے ملنا ہرگز نہیں چھوڑوں گی۔ بلا سے سفیر ناراض ہو جائے اور ثمین کو برا لگے۔ لگتا تھا جیسے میں ان کے ٹرانس میں تھی۔ لیکن ہوا یوں کہ میڈم خود ہی ملک سے باہر چلی گئیں۔ کتنے سارے دن میں اس بات پر اداس رہی کہ وہ مجھ سے

ملے بغیر چلی گئیں۔ یہ تو بہت دنوں بعد مجھے پتا چلا تھا کہ وہ اس طرح کیوں چلی گئی تھیں۔ دراصل میں نے کبھی اخبار وغیرہ پڑھنے میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ اس لیے مجھے ملک میں ہونے والے اہم اور غیر اہم واقعات کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ اس روز جب میں ارمان کے حق میں ثمین کو بڑی بڑی دلیلیں دے رہی تھی اور میڈم زبیری کی کہی ہوئی باتیں بھی دہراتی جا رہی تھی تو ثمین نے بہت غصے سے کہا تھا۔

"روشین فار گاڈ سیک۔ اس کے اقوال مت دہراؤ مجھے ملک عناصر سے نفرت ہے اور تمہیں تو شاید یہ بھی پتا نہیں ہوگا کہ وہ اچانک ملک سے فرار کیوں ہوئی ہے۔"

"فرار ہوئی ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"اس لیے خاتون کہ وہ کئی ایجنسیوں کو مطلوب تھیں۔ اور اس سے پہلے کہ انہیں گرفتار کیا جاتا، وہ بھاگ گئیں۔"

ثمین کے بتانے کے باوجود پتا نہیں کیوں میں ان سے نفرت نہیں کر سکی تھی۔ وقتاً فوقتاً ان کی کہی ہوئی باتیں میرے ذہن میں گونجتی رہتیں اور مجھے اپنے سب خاندان والے بہت چھوٹے سے لگتے۔ دو اور دو چار کرنے والے لوگ! کاش! مجھ جیسی آرٹسٹک مائنڈڈ لڑکی کسی انٹلیکچول

فیملی میں جنم لیتی۔ مجھے ان کی بات یاد آتی تو مجھے خود پر ترس آنے لگا تھا۔

* * * *

میں اپنی ایجوکیشن مکمل کر چکی تھی اور ثمین اپنی پڑھائی میں بہت مصروف تھی۔ آنٹی اور ممی بہت کم سخن اور گھریلو سی تھیں۔ سفیر، انکل اور ڈیڈی صبح گھر سے نکلتے تو شام گئے آتے۔ میں بہت بور ہو رہی تھی۔

"اچھی اچھی کتابیں پڑھا کرو۔" ایک روز سفیر نے مشورہ دیا۔ "ذہن کو وسعت ملے گی۔"

"کاش! میڈم زبیری ہوتی تو مجھے گائیڈ کرتیں کہ مجھے کیا پڑھنا چاہیئے۔"

سفیر نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔ "میرے پاس بہت اچھا انتخاب ہے۔ دل چاہے تو آ جانا کسی دن۔"

میں اس کا انتخاب دیکھ کر ایک لمحہ کو حیران رہ گئی۔ اس نے ساری دنیا کا ادب اکٹھا کر رکھا تھا۔ شیلے، کیٹس، شیکسپیئر، گورکی، موپساں، ٹامس سے کر ممتاز مفتی اور بانو قدسیہ تک کی کتابیں اس کی اسٹڈی میں تھیں۔

کیا یہ ساری کتابیں سفیر نے پڑھ بھی رکھی ہیں۔ میں نے سوچا تھا اور پھر خود ہی نفی کر دی تھی۔ ناممکن! یہ بڑے اور امیر لوگوں کا ایک طریقہ ہے۔ ایک بار میڈم نے کہا تھا۔

"دوسروں پر رعب ڈالنے اور محض نمائش کے لیے یہ لوگ بڑے ادیبوں کی کتابوں سے اپنی شیلف سجا لیتے ہیں۔ حالانکہ ان کو پتا تک نہیں ہوتا کہ موپساں کون ہے اور سارتر کون تھا۔ گورکی کی "ماں" کی تھی؟"

تاہم میں سفیر کی اسٹڈی میں جانے لگی تھی۔ اور اس روز بھی میں کتاب ہی لینے ادھر گئی تھی۔ جب سفیر نے مجھے ارمان سے متعارف کروایا تھا۔

ہمارا گھر ایک ہی تھا، بس پورشن الگ الگ تھے۔ جنہیں مہندی کی باڑ الگ کرتی تھی۔ ان دنوں سفیر ایک نئی مل لگانے میں مصروف تھا۔ سو کئی بار ایسا ہوا کہ ارمان اس سے ملنے گھر آیا تو وہ نہ تھا۔ میں ارمان کی اسٹڈی میں ہوتی، وہ جاتے جاتے بھی چند باتیں کر جاتا۔ یہ تو بعد میں مجھے پتا چلا تھا کہ وہ جان بوجھ کر اس وقت آتا جب سفیر گھر پر نہ ہوتا تھا۔

یوں ارمان میرے حواس پر چھاتا چلا گیا۔ اور سفیر دور ہوتا گیا۔

"شناجی آپ کی ہنسی جیسے دور کہیں پہاڑوں پر برف گر رہی ہو۔"

"آپ کی آواز جیسے کہیں جھرنے بہہ رہے ہوں۔"

"شناجی آپ کو پتا ہے میں صرف ایک نظر آپ کو دیکھنے کے لیے آتا ہوں اور یہ ایک نظر مجھے دن بھر معطر رکھتی ہے۔"

وہ چند لمحوں کے لیے آتا اور کوئی نہ کوئی ایسی بات کہہ جاتا جو گھنٹوں مجھے سرشار رکھتی۔ میں کتاب سامنے رکھے ان لفظوں کی حلاوت میں کھوئی رہتی۔

مجھے سفیر کی ہر بات پر اعتراض ہونے لگا تھا۔ میں اس کی ہر بات، ہر عمل کا موازنہ ارمان سے کرنے لگی تھی۔ ارمان مجھے شناجی کہہ کر بلاتا تھا، سفیر نے کبھی مجھے کوئی پیارا سا مختصر نام دیا تھا۔ ارمان مجھے دلنشین لفظوں میں سراہتا، جب کہ میری یاداشت میں ایسا کوئی لمحہ نہیں تھا جب سفیر نے میری تعریف کی ہو۔

ان دنوں جب میں ارمان کے سحر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ سفیر نئی مل کی مشینری کے سلسلے میں جاپان چلا گیا اور یوں ارمان کا آنا موقوف ہو گیا۔

میں بولائی بولائی سی پھرتی۔ جیسے کہیں کچھ ہو گیا ہو۔ وہ اس کا گمبھیر لہجہ، وہ اس کی محبتیں لٹاتی آنکھیں، اور اس کی وہ خوبصورت ادبی گفتگو، شیلے، کیٹس، بائیرن کی شاعری پر بحث، ممتاز مفتی اور نجیب محفوظ کی تحریروں پر تبصرہ۔ میں تو جیسے اس کی طلسم میں جکڑی گئی تھی۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے روشین؟" وددا ایک بار ثمین نے پوچھا اور پھر مذاق بھی کیا۔ "سفیر بھائی تو یاد نہیں آ رہے؟"

بھلا سفیر میں یاد آنے کے قابل بات ہی کیا تھی۔ جو یاد آ رہا تھا، اس نے آنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ پھر ایک روز اس کا فون آ گیا۔

"شناجی کیسی ہیں آپ؟"

"آپ؟" میں مسحور سی ہو گئی۔ "کہاں تھے آپ اتنے دنوں سے؟"

"کس بہانے آتا شناجی لیکن کیا بتائیں۔ راتوں کا چین اور دن کا سکون لوٹ لیا آپ نے۔ یہ کیسا شب خون مارا ہے آپ نے ہمارے دل پر۔"

وہ بولتا رہا اور اس کے خوبصورت لفظ دل میں پھول کھلاتے رہے۔ اتنے دنوں کی بے چینی کو راحت مل گئی۔

"ہم تو آپ کو بنا دیکھے مر جائیں گے شناجی۔ سفیر تو جانے کب آئیں۔ آپ کو پتا ہے ہم تو ایک بار آپ کو میڈم زبیری کے ساتھ دیکھ کر ہی دل کھو بیٹھے تھے۔ سفیر سے دوستی تو دراصل آپ کے لیے کی تھی۔"

یہ انکشاف مجھے حیران کر گیا اور ایک لمحے کو فخر سے میرا سر بلند ہو گیا۔ یہ اتنا اسٹائلش اور انٹلیکچول بندہ میرے لیے، صرف میرے لیے؟

"کچھ کریں شناجی، نہیں تو۔۔۔"

پھر میں اس سے باہر ملنے لگی۔ کبھی کہیں، کبھی کہیں۔ ثمین اپنی پڑھائی میں مصروف تھی۔ سفیر باہر تھا۔ میری مصروفیات کے متعلق پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ ارمان جب بھی فون کرتا، میں اس سے ملنے چل دیتی۔

میں نے سوچا تھا زندگی یوں ہی گزرتی رہے گی۔ ایسے ہی خواب کے سے عالم میں مگر سفیر آیا تو مجھے ان خوابوں سے جاگنا پڑا۔ گھر میں شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

ایک دن میں ارمان سے مل کر آئی تو ممی کو جیولر سے بات کرتے دیکھا۔ ممی نے مجھے بھی بلالیا۔

"ادھر آنا روشین! یہ خورشید صاحب چوڑیاں کے ڈایزائن لائے ہیں، پسند کر لو۔"

"یہ سب کیا ہے ثمین؟"

"تمہاری شادی۔" ثمین نے مزے سے چیونگم چباتے ہوئے کہا۔

"کس کے ساتھ؟" میرے تصور یکدم ارمان آگیا تھا۔

"کمال ہے۔ تمہیں نہیں معلوم، کس کے ساتھ؟" ثمین نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ سفیر بھائی کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟" وہ شوخ ہو رہی تھی۔

"نہیں!" میں وہیں کرسی پر بیٹھ گئی۔ "میں سفیر کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے روشین۔" ثمین نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

"شاید! لیکن سفیر مجھے پسند نہیں ہے۔ ثمو پلیز۔ مما سے کہہ دو۔ مجھے اس سے شادی نہیں کرنا۔"

"کیا تم کسی اور سے؟"

"ہاں!"

میں ایک دم بہت بہادر ہو گئی تھی۔ سب ہی نے مجھے سمجھایا تھا۔ ممی، ڈیڈی اور ثمین نے لیکن میں تو بچپن ہی ضدی تھی پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ کسی کی بات مان لیتی۔ اور پھر ارمان بھی مسلسل مجھے اکسا رہا تھا۔

"شنا جی ہم بھلا کیسے زندہ رہ پائیں گے شنا جی۔"

بالآخر ڈیڈی نے ہار مان لی۔

"ٹھیک ہے، روشین سے پوچھو، وہ کس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

ارمان کا نام سن کر ایک لمحے کو تو سب ہی ششدر رہ گئے۔ سفیر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"وہ تو ایک گھٹیا اور چیپ سا آدمی ہے انکل۔ روشین کو سمجھائیں۔"

"بہروپیا!" ثمین نے ناک چڑھائی۔ "تم پچھتاؤ گی روشین۔ وہ تو سفیر بھائی کے پاؤں کی خاک بھی نہیں ہے۔ تم نے کبھی سفیر بھائی کو سمجھنے اور جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ بہر حال اگر سفیر بھائی نہ سہی تو کوئی اور سہی۔ دنیا اچھے لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔"

مگر میں فلسفہ بولتی۔ میڈم زبیری کی کہی باتیں دہراتی کہ میں اس ماحول میں فٹ ہوں۔

"اس عورت کا نام ہی نہ لو۔" ثمین اس سے بہت چڑتی تھی۔ "تم تو اس ماحول میں اسے مس فٹ نظر آتی تھیں اور خود سفیر پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتی رہی۔"

لیکن تب مجھے ثمین کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ بھلا اسے سفیر جیسے عام سے دو اور دو چار کرنے والے بندے پر ڈورے ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے تو انہوں نے خود بتایا تھا کہ بڑے بڑے انٹلیکچول ادیبوں اور شاعروں نے انہیں پرپوز کیا تھا۔

"ارمان کا تو کوئی فیملی بیک گراؤنڈ نہیں ہے۔" ایک دن ڈیڈی نے بتایا۔ "میں نے پتا کروایا ہے۔ "نہ کوئی ڈھنگ کی جاب، نہ کوئی گھر اور میرے خیال میں تو ایجوکیشن بھی کوئی خاص نہیں ہے۔"

"ارمان سے تمہاری شادی نہیں ہو سکتی۔" ممی نے صاف صاف کہہ دیا۔ "کوئی خاندانی آدمی ہوتا تو بات بھی

تھی۔"

ڈیڈی ارمان سے ملے اور دو گھنٹے کی ملاقات کے بعد انہوں نے فیصلہ سنا دیا۔ "خاندانی بیک گراؤنڈ سے الگ، ذاتی طور پر بھی وہ ایک سطحی آدمی ہے۔"

میں حیران تھی کہ ان سب کو ارمان میں کوئی خوبی کیوں نہیں نظر آتی اور انہی دنوں میں ارمینہ رازق کی طرح نفل پڑھ پڑھ کر خدا سے اس کی دائمی رفاقت کی دعائیں مانگتی تھیں لیکن جب نے حتمی فیصلہ سنا دیا تو میں نے ویلیم فائیو کی جانے کتنی گولیاں نگل ڈالیں۔ شاید گولیوں کی مقدار کم تھی کہ میں بچ گئی مگر اس کا فائدہ یہ ہوا کہ میں ارمان کی زندگی میں شامل ہو گئی۔

میں ڈیڈی کی بے حد لاڈلی تھی۔ پہلی اولاد ہونے کے ناتے سب ہی نے مجھے بہت چاہا تھا۔ انکل اور آنٹی بھی مجھ پر جان دیتے تھے۔

حالانکہ میرے اس فیصلے سے کوئی خوش نہ تھا پھر بھی میری شادی اسی دھوم دھام سے ہوئی جیسی ہونی چاہیئے تھی۔ ڈیفنس میں فل فرنیشڈ کوٹھی شادی سے پہلے ہی میرے نام کر

دی گئی تھی اور رخصت ہو کر اسی کوٹھی میں گئی تھی۔ ارمان کو ہنڈا کار کے علاوہ پندرہ لاکھ روپے سلامی میں دیئے گئے تھے۔ انکل اور ڈیڈی نے اپنے طور پر اسے سیٹ کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔

مل میں اس کے شئیرز رکھے تھے اور گلبرگ میں بہت شاندار آفس بنا کر اسے امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس سیٹ کر کے دیا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہی ارمان نے یہ کہہ کر آفس بند کر دیا۔

"میں پڑھنے پڑھانے والا آدمی ہوں۔ مجھ سے یہ دو اور دو چار نہیں ہوتا۔"

ان دنوں تو مجھے ارمان کی ہر بات اچھی لگتی تھی۔ میں خوابوں کے ہنڈولوں میں جھول رہی تھی۔ میں نے سوچا بزنس واقعی اس کے بس کا کام نہیں اور پھر کچھ کرنے کی کیا ضرورت بھی کیا ہے۔ "وہ پندرہ لاکھ جو تمہیں سلامی میں ملا تھا اور وہ دس لاکھ جو انکل نے مجھے گفٹ دیا تھا، انہیں بینک میں رکھو۔ ہر ماہ کا انٹرسٹ ہم دونوں کے لیے بہت کافی ہے۔"

"تو کیا تمہارا اتنا ہی حصہ تھا شاجی؟" ارمان نے جواب میں کہا تھا۔

"کیا مطلب؟ اتنا کچھ تو ڈیڈی نے دیا ہے۔"

"کروڑوں کی جائیداد میں صرف اتنا تو تمہارا حق نہیں تھا۔"

"حصہ وہی ہوتا ہے جو ملتا ہے۔"

میں تو ہمیشہ سے درویش صفت تھی اور میڈم زبیری نے تو مجھے اپنے لیکچر سے بالکل ہی غنی کر دیا تھا۔ میں نے سارا روپیہ ارمان کے حوالے کر دیا۔ میں نے دولت کے حصار کو توڑ کر ایک انٹلیکچول مرد کو چنا تھا۔ میں خوشی کے بادلوں پر سوار تھی۔ مگر ایک دم سے نیچے آ گری۔

ابھی زیادہ دن تو نہیں ہوئے تھے۔ شاید چھ ماہ یا سات ماہ۔ اس روز ارمان دیر سے گھر آیا تھا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ جوتوں سمیت بیڈ پر گر پڑا اور آنکھیں موند لیں

"ارمان۔ ارمان!" میں نے گھبرا کر اسے جھنجھوڑ ڈالا مگر وہ بے حد بے سدھ تھا۔ میں نے اس کے جوتے اتارے اور تولیے کو ٹھنڈے پانی میں بھگو کر اس کے چہرے پر پھیرنے لگی۔ کبھی پاؤں سہلاتی اور کبھی ہتھیلیاں رگڑتی۔ تب گھبرا کر میں نے سوچا کہ کسی ڈاکٹر کو بلاؤں۔ جب میں باہر جانے لگی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیاہو گیا تھا آپ کو؟" آنسو میری رخساروں پر ڈھلک آئے۔

"کچھ بھی نہیں۔" وہ کتنی دیر ہنستا رہا۔ "تم کتنی بیوقوف ہو۔ آج ذرا زیادہ پی لی تھی، نشہ ہو گیا۔"

میں حیرانی سے آنکھیں کھولے اسے دیکھتی رہی۔

"بہت محبت کرتی ہو مجھ سے؟" اس کی آواز اب بھی لڑکھڑا رہی تھی۔

میں نے سر ہلا دیا۔

"تو پھر اس کا عملی ثبوت دو نا جانم۔ اپنا حصہ ڈیڈی سے مانگ لو۔"

"کیسا حصہ؟" مجھے شاک سا لگا۔

"تمہارا حصہ! آدھا تو تمہارا ہی ہے نا۔ اپنے ڈیڈی سے کہو۔ اپنی زندگی میں ہی تمہیں تمہارا حصہ دے دیں۔ ورنہ وہ سفیر اور ثمین بہت چالاک ہیں۔ سب پر قبضہ کر لیں گے۔"

"خدا ڈیڈی کو طویل زندگی دے اور ثمین اور سفیر ایسے نہیں ہیں۔"

"تو پھر مرو بھوکی۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

"اور وہ پچیس لاکھ روپیہ؟"

"سب ختم ہو گیا۔"

"مگر کیسے؟"

"نذر کر دیئے حسینوں کو۔ ماہ پاروں کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے۔" وہ بولتے بولتے پھر سو گیا اور میں کتنی ہی دیر تک شاک کے عالم میں بیٹھی رہی۔

"نہیں! ارمان اتنا گھٹیا نہیں ہو سکتا۔ یقیناً دوستوں نے زبردستی پلا دی ہو گی اور اب نشے میں الٹی سیدھی کہہ رہا ہے۔" مگر ارمان نے تو ہوش میں آکر بھی یہی بات دہرا دی۔

"پچیس لاکھ روپیہ آخر کہاں خرچ ہوا۔ صرف چند ماہ میں؟"

"حساب دوں تمہیں؟ مرد ہوں اور مرد حساب دیا نہیں، لیا کرتا ہے۔"

میں حیرت سے اس کا منہ تکتی رہی تھی۔ آج تک انکل، ڈیڈی، سفیر کسی کو میں نے اس طرح حلق پھاڑ کر بولتے نہیں سنا تھا۔

پھر اس کا مطالبہ زور پکڑتا گیا۔ میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ میری خاموشی پر وہ گالیاں دیتا، تھپڑ مارتا اور فضول بکواس کرتا اور میں ساکت بیٹھی سوچتی رہتی۔ یہ ہے انٹلیکچول مرد جس کی میں نے خواہش کی تھی اور اپنے سارے پیاروں کا دل دکھایا تھا۔

اس نے سارے ملازموں کو فارغ کر دیا تھا۔ خود باہر سے کھا کر آتا۔ گھر میں اکثر کھانے کو کچھ نہ ہوتا۔ میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ مر بھی جاؤں تو ڈیڈی سے اپنے حصے کا مطالبہ نہیں کروں گی۔

اب تو وہ کھلم کھلا پینے لگا تھا۔ گھر پر بھی اس کے دوست احباب آتے۔ ادب پر بحث ہوتی۔ سیاست کے داؤ پیچ سمجھے جاتے۔ کارڈز کھیلتے ہوئے بیہودہ گوئی ہوتی، شعر کہے اور سنائے جاتے۔ اونچے اونچے قہقہے لگائے جاتے اور آخر میں جام چڑھائے جاتے اور میں بیڈروم کا دروازہ بند کیے خاموش آنسو بہایا کرتی۔ باہر ڈرائنگ روم میں ان کے اونچے بے ہنگم قہقہے سن کر مجھے سارا شگفتہ کا زندگی نامہ یاد آجاتا۔

میں انہیں

بک شیلف پر سجے دیکھتی تھی۔

ان بڑے بڑے ادیبوں

فلسفیوں اور شاعروں کو

اور میری نگاہیں عقیدت سے

جھک جاتی تھیں

جیسے میں

دیوتاؤں کے حضور کھڑی ہوں

لیکن جب سے

میں نے انہیں

سارا شگفتہ کے

زندگی نامے میں دیکھا

تو مجھے لگا

جیسے وہ سب کے سب

مکروہ چہروں والے

غول بیابانی ہوں

اور غلطی سے انسانوں کی دنیا میں آ گئے ہوں۔

سارا شگفتہ کے زندگی نامے سے نکل کر یہ غول بیابانی ہمارے ڈرائنگ روم میں اودھم مچاتا اور انہی میں ایک ارمان نصیب بھی تھا جو سب کے چلے جانے کے بعد نشے میں دھت گالیاں بکتا اور آ کر بیڈ پر گر جاتا۔ پچھتاوا میری رگوں کو کاٹنے لگا تھا۔ میں تھکنے لگی تھی۔ ہر روز ایک ہی مطالبہ! ایک سی گالیاں!

اس روز بھی میں گالیاں اور تھپڑ کھا کر لاؤنج میں سر جھکائے بیٹھی تھی کہ سفیر اور ثمین آ گئے۔ میری شادی کے کچھ دنوں بعد ہی اس کی شادی سفیر سے ہو گئی تھی۔ اگرچہ اس کا ایم بی اے ابھی مکمل نہیں ہوا تھا لیکن انکل کا اصرار تھا اور اب امتحان سے فارغ ہو کر وہ مجھے ملنے آئی تھی۔ میں

"خوش نہیں ہو نا روشین؟ ارمان نے نقاب اتار دیا ہے ناں۔"

"وہم ہے تمہارا، میں خوش ہوں بہت۔" میں نے زبردستی ہونٹوں پر مسکراہٹ سجالی کہ میں ثمین اور سفیر کے سامنے اپنے انتخاب پر شرمندہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہو؟"

ثمین کے ہاتھ میں میرا ہاتھ تھا جسے میں نے آہستہ سے چھڑایا۔ "ہاں۔"

تب ہی ارمان بیڈروم سے نکل آیا۔ وہی دھاری دار فان کلر کی چادر، اسی اسٹائل سے لیے ہوئے لبوں پر مسکراہٹ سجائے۔

"نمستے شموجی اور سفیر جی۔"

"بہروپیا!" ثمین کا دیا ہوا لقب میں نے دل ہی دل میں دہرایا۔

"آج تو غریب خانے کے نصیب جاگ اٹھے ہیں۔"

"نصیب تو آپ کے جاگ گئے ہیں سچ مچ ہی۔"

ثمین نے بے ساختہ کہا تھا جس پر اس نے قہقہہ لگایا۔ اونچا طویل قہقہہ۔

"نوشین تم نے سازار سے کوئی ڈریس خریدا؟ زبردست نئی ورائٹی آئی ہے۔" ثمین میری طرف متوجہ ہو گئی۔

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ارے ہم غریب لوگ "سازار کے بوتیک" کے ڈریس کہاں افورڈ کر سکتے ہیں۔" ارمان نے بڑے اسٹائل سے سگریٹ کی راکھ جھاڑی۔ کبھی اس اسٹائل پر میں کتنا مرتی تھی لیکن اس وقت زہر لگا مجھے۔ سفیر کی گہری نظریں میرے چہرے پر تھیں اور مجھے لگا تھا وہ اندر تک اتر کر مجھے دیکھ رہا ہو۔ میں اس کی نظروں سے بچنے کے لیے چائے کے بہانے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ثمین میرے پیچھے کچن میں چلی آئی اور مجھے چائے بناتے دیکھتے رہی۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا نا روشین۔" اس کی آنکھوں سے دو آنسو گرے۔ میں نے مڑ کر اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا۔ اگر میں دیکھ لیتی تو ضبط نہ کر پاتی اور بھرم ٹوٹ جاتا۔

"ممی کیسی ہیں؟"

"تمہیں یاد کرتی ہیں بہت۔"

"آؤں گی کسی دن۔"

میں نے برائے نام دودھ والی چائے بنا کر ٹرے میں سجائی۔ ساتھ رکھنے کو کچھ نہ تھا۔

ثمین تاسف سے مجھے دیکھتی رہی۔ اور جب میں چائے لے کر آئی تو سفیر اٹھ کھڑا ہوا۔

"خدا جانے ارمان نے اس سے کیا کہا تھا کہ چند دن I will do something" او کے ارمان نصیب۔ بعد ہی علی پلازہ اور کومل مارکیٹ میرے نام کر دی گئی۔ میرے اکاؤنٹ میں ڈیڈی نے کافی کیش بھی جمع کروا دیا تھا۔ کئی دن تک سفیر آتا رہا اور ارمان کو ساتھ لے جاتا رہا۔

"میں نے چاہا تھا کہ ارمان تمہاری سیٹ پر بیٹھے۔ لیکن یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ تاہم اس کا نام ملز کے ڈائریکٹرز میں شامل کر دیا گیا ہے۔" ایک روز سفیر نے مجھے بتایا۔ "وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ سو یہ پلازہ اور مارکیٹ ہے۔ اس کے کرائے سے زندگی آسانی سے گزار لے گا۔"

یہ مارکیٹ اور پلازہ کوئی چھوٹا موٹا پلازہ نہیں تھا بلکہ ڈبل اسٹوری مارکیٹ تھی۔ اور علی پلازہ کے انڈر گراؤنڈ فلور پر پچیس کے قریب شاپس تھیں فرسٹ اور سیکنڈ فلور پر فلیٹس تھے۔ ارمان کو واقعی کچھ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ لاکھوں میں کھیلنے لگا تھا۔ اس کا حلقہ احباب بھی بدل گیا تھا۔ وہ باقاعدگی سے جم خانہ جاتا۔ ریس کھیلنے کے لیے کراچی اور راولپنڈی جایا کرتا تھا۔ بڑے بڑے لوگوں سے اس کے تعلقات ہو گئے تھے۔ وہ انہیں ڈنر اور پارٹیاں دیتا اور ان کے ہاں پارٹیوں میں جاتا اور مجھے بڑے فخر سے متعارف کرواتا۔

"مائی وائف! اوصاف گروپ آف انڈسٹریز کے اوصاف صاحب کی بیٹی۔" پھر متعارف کروا کر بھول جاتا کہ میں بھی وہاں ہوں۔ اپنے مخصوص دلکش لہجے میں وہ سب سے ملتا ہوا پارٹی میں موجود سب سے خوبصورت خاتون کے پاس جا بیٹھتا اور پھر جیسے اس کی آنکھیں مقناطیس بن جاتیں۔ اس کے پورے وجود سے طلسمی کرنیں پھوٹنے لگتیں۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا کہ میں اسے ٹھوکر مار کر چلی آؤں۔ ایک بار پھر یہ اپنے کرشن

نگر کے اس دو کمروں کے گھر میں چلا جائے جہاں کی دیواروں کا سیمنٹ تک اکھڑا ہوا تھا۔ لیکن پھر ثمین کا یا سفیر کا فون آجاتا۔

"ٹھیک تو ہونا۔۔۔روشین؟"

"ہاں!" میرے تھکے ہارے وجود میں توانائی بھر جاتی۔

"خوش ہو؟"

"ہاں!" میں خوش ہونے کی ایکٹنگ کرتی۔ "ارمان میرے ساتھ بہت اچھا ہے۔" لیکن ثمین کو کبھی میری بات کا یقین نہیں آیا تھا۔

"کوئی پرابلم ہو تو جھجکنا مت۔ ہم سب ہیں نا تمہارے اور یہ مت سمجھنا کہ تمہارے ساتھ کوئی ناانصافی ہوئی ہے۔ سب کچھ تمہارا ہے، تمہارا اور تمہارے بچوں کا۔ تمہارا حق ہمیشہ ہے اور رہے گا۔ یہ تو ارمان۔۔۔"

وہ ہر بار فون بند کرتے ہوئے ضرور کہتی۔ کیا میں نہیں جانتی تھی کہ ارمان کیا ہے۔ لالچی، حریص! جیسے کتے کے آگے ہڈی ڈال دی جائے اور وہ اس ہڈی کو چچوڑتا رہے۔

ہر بار میرا دل چاہتا ہے کہ کہوں، ثمین سنو میں تھک گئی ہوں۔ اس شخص کے ساتھ بھاگتے بھاگتے میرا دم ٹوٹنے لگا ہے۔ مجھے اس کے چنگل سے نکال لو۔ لیکن پھر میری عزت نفس، میری انا میرے سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔

نہیں ثمین بھلا کیا سوچے گی؟ سفیر کیا کہے گا؟ ڈیڈی، انکل سب، کتنا سمجھایا تھا سب نے۔ نہیں! اور میں نئے

سرے سے ہمت کر کے اٹھ کھڑی ہوتی ہوں۔

وہ رات گئے نشے میں دھت آتا ہے تو اس کے جوتے اتارتی ہوں۔ وہ واش روم میں جاتا ہے تو باہر ٹاول ہاتھ میں لیے کھڑی رہتی ہوں۔ اس کے کپڑے اپنے ہاتھ سے استری کرتی ہوں۔

کبھی کبھی وہ محفوظ ہوتا ہے اور کبھی کبھی برس پڑتا ہے۔

میں کیا کروں؟ میں ثمین اور سفیر کے سامنے سر اٹھا کر کھڑی رہنا چاہتی ہوں کہ اس انٹلیکچول مرد کو میں نے خود منتخب کیا تھا سو میں ہر ہر طرح سے اسے جتنے کی کوشش کرتی ہوں۔ اپنی وفاؤں سے، اپنی خدمت گزاری سے اور ارمینہ رزاق کی طرح نفل پڑھ پڑھ کر دعائیں مانگتی ہوں ایسے کہ میرے آنسو میری پھیلی ہوئی ہتھیلیوں پر گرتے ہیں۔

اس کی غلیظ گالیاں میرے کانوں میں گونجتی ہیں اور سارا شگفتہ کے "زندگی نامے" میں موجود سارے انٹلیکچول، ارمان سمیت غول بیابانی میں بدل جاتے ہیں۔ اپنی لمبی زبانیں نکالے آگ کے گرد وحشیانہ رقص کرتے ہوئے۔

"یارب اس انٹلیکچول مرد کو جسے میں نے منتخب کیا تھا، انسان کی جون دے دے۔ یاخدا!"

میری دعائیں میری ہتھیلیوں پر آنسوؤں کی صورت گرتی رہتی ہیں اور میرے گرد وحشیانہ رقص جاری رہتا ہے۔

ختم شد

ختم شد